تعقل و تدبّر کیلئے قرآن حکیم کی تاکید

☆ اور اسلام میں اجتہاد و قیاس کا مقام

از مولانا جعفر شاہ پھلواری

دنیا کی کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس نے عقل سے کام لینے پر اتنا زور دیا ہو جتنا قرآن نے دیا ہے۔ عقل و فہم کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو قرآن نے مختلف الفاظ سے واضح کیا ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ لفظ حکمت سے :۔ ویعلمکم الکتب والحکمۃ [۱] (یہ رسول تمہیں کتاب اور حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔)

ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا [۲] (جسے حکمت و دانائی عطا ہوئی اسے بے شمار بھلائیاں مل گئیں)

۲۔ لفظ لُبّ سے :۔ وما یذکّر الا اولوا الالباب [۳] (اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)

۳۔ لفظ بصیرۃ سے :۔ فاعتبروا یا اولی الابصار [۴] (عقل والو عبرت حاصل کرو)

افلا تبصرون ؟ [۵] (تم بصیرت سے کام نہیں لیتے ؟)

۴۔ لفظ فقہ سے :۔ لو کانوا یفقہون [۶] (کاش یہ سمجھ سے کام لیتے)

۵۔ لفظ شعور سے : وما یشعرون [۷] (یہ شعور سے کام نہیں لیتے)

۶۔ لفظ عقل سے :۔ افلا تعقلون ؟ [۸] (تم عقل سے کام نہیں لیتے)

---

[۱] ۲ : ۱۵۱ — [۲] ۲ : ۲۶۹ — [۳] ۲ : ۲۶۹

[۴] ۵۹ : ۲ — [۵] ۲۸ : ۷۲ — [۶] ۹ : ۸۱

[۷] ۲ : ۹ — [۸] ۲ : ۴۴

یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں پڑھا گیا (مدیر)

۷۔ لفظ تفکر سے :۔ ان فی ذلك لآیات لقوم یتفکرون[9] (اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں)

۸۔ لفظ تدبر سے :۔ افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها[10] (یہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ کیا دلوں پر تالے پڑے ہیں؟)

۹۔ لفظ توسّم سے : ان فی ذلك لآیات للمتوسمین (اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں) ۱۵:۷۵

ان میں سے ہر لفظ عقل و تدبّر اور غور و فکر کے ایک الگ پہلو کو واضح کرتا ہے اور کسی ذی فہم سے ان الفاظ کے تیور پوشیدہ نہیں۔ ہر لفظ عقل و دانائی، تفقہ و تدبر اور حکمت و بصیرت کی ترغیب سے بھرپور ہے۔ لیکن اس حقیقت کو قرآن نے انتہا تک جس انداز سے پہنچایا ہے، وہ بھی آپ اپنی مثال ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

۱۔ صم بکم عمی فهم لا یعقلون[11] (یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں اس لئے عقل سے کام نہیں لیتے)

۲۔ ان شر الدواب عند الله الصم البکم الذین لا یعقلون[12] (خدا کی نگاہ میں بدترین مخلوق وہ بہرے گونگے ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے)

۳۔ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون[13] (جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر اللہ پلیدی ڈال دیتا ہے)

۴۔ وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر[14] (منکرین کہیں گے کہ اگر ہم نے سنا اور عقل سے کام لیا ہوتا تو ہم جہنمی نہ بنتے)

ذرا غور فرمائیے اور بتائیے کہ عقل کی تائید یا بے عقلی کی بُرائی میں اس سے بھی زیادہ کچھ کہا جا سکتا ہے؟ قرآن پاک کو ان واضح آیات کے بعد کچھ اور بتانے کی ضرورت نہیں لیکن مسئلہ اور نکھر کر سامنے آجائے گا اگر بعض احادیث کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ سنئے :۔

۱۔ عن ابن عباس انه دخل علی عائشة فقال یا ام المؤمنین ارایت الرجل یقل

---

[9] ۳:۱۳ [10] ۴۷ : ۲۴ [11] ۲ : ۱۷۱

[12] ۸ : ۲۲ [13] ۱۰ : ۱۰۰ [14] ۶۷ : ۱۰

قیامہ ویکثر رقادہ و آخر یکثر قیامہ ویقل رقادہ ایھما احبّ الیک؟ قالت سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما سألتنی عنہ فقال احسنھما عقلا۔ قلتُ یا رسول اللہ اسألک عن عبادتھما۔ فقال یا عائشۃ! انما یسئلان عن عقولھما فمن کان اعقل کان افضل فی الدنیا والآخرۃ ۱۵ (عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ وہ جناب عائشہ کے پاس گئے اور پوچھا کہ ام المومنین! ذرا بتائیے تو سہی کہ ایک شخص ہے جو شب بیداری کم اور آرام زیادہ کرتا ہے۔ اور دوسرا شب زندہ داری زیادہ اور آرام کم کرتا ہے۔ آپ کو ان دونوں میں کون زیادہ پیارا ہے؟ جناب عائشہؓ نے فرمایا: جو سوال تم نے مجھ سے کیا ہے۔ بالکل وہی سوال میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو حضورؐ نے جواب دیا: ان دونوں میں جس کی عقل زیادہ ہوگی (وہی مجھے محبوب تر ہوگا)۔ میں (عائشہ) نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو ان دونوں کی عبادت کے بارے میں سوال کر رہی ہوں (اور حضورؐ جواب دے رہے ہیں عقل کے بارے میں) حضورؐ نے جواب دیا: اے عائشہ! ان دونوں سے بازپرس تو عقل ہی کے بارے میں ہوگی۔ پس جو زیادہ صاحب عقل ہوگا، وہی افضل ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی")

اس ارشاد نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ شب زندہ داری اور عبادت و ریاضت کا مقصد محض چند کلمات و حرکات یا چند مراسم کو ادا کر لینا نہیں بلکہ اس کا اصل مقصد عقل و شعور اور تفقہ و بصیرت پیدا کرنا ہے۔ عقل کے متعلق بازپرس (انما یسئلان عن عقولھما) بڑی معنی خیز حقیقت ہے۔ یعنی بازپرس یہ نہ ہوگی کہ تم نے کتنی تہجد پڑھی؟ مگر یہ بازپرس ضرور ہوگی کہ اس تہجد گزاری اور شب زندہ داری سے اپنے اندر عقل و تفکر کی کتنی قوت و صلاحیت پیدا کی اور اس سے تمہاری سمجھ بوجھ میں کتنا اضافہ ہوا؟ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عبادات کے ذریعے اسلام بے عقل نہیں بنانا چاہتا بلکہ لا انتہا ارتقا پذیر عقل و دانائی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

۴۔ عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تعجبوا باسلام امرئ حتی تعرفوا عقدۃ عقلہ ۱۶ (عبداللہ بن عمر سے حضورؐ کا یہ ارشاد

---

۱۵ کتاب الاذکیاء لابن الجوزی۔ طبع مصر ص ۴

۱۶ کتاب الاذکیاء لابن الجوزی (طبع مصر) : ۴

مروی ہے کہ کسی کے اسلام سے اس وقت تک خوش نہ ہو، جب تک اس کی محکم عقل کو نہ جان لو۔ گویا معاملہ محض عبادات تک محدود نہیں بلکہ پورے اسلام کا مقصد ہی عقل و دانش پیدا کرنا ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ اسلام تو سراپا عقل و حکمت ہے۔ وہ اپنے پیروں کو بہرا، گونگا، اندھا اور بے عقل بنانا نہیں چاہتا۔ عاقل و فرزانہ بنانا چاہتا ہے۔ ایسا شعور پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھے اور ہر بات عقل کی ترازو پر پوری اترے۔

۳۔ عن علیؓ قال: الا لا خیر فی قرأۃ لیس فیہا تدبر ولا فی عبادۃ لیس فیہا تفقہ[۱۷]

سیدنا علی فرماتے ہیں: سن لو کہ جس قراءت میں تدبر اور جس عبادت میں تفقہ نہ ہو، اس میں کوئی خیر نہیں۔

یہ روایت حُسنِ اتفاق سے اہل سنت اور اہل تشیع دونوں میں متفق علیہ ہے۔ اصول کافی میں بھی تقریباً یہی الفاظ سیدنا علیؓ سے مروی ہیں[۱۸] اللہ اور اس کے رسول کے یہ ارشادات آپ کے سامنے ہیں۔ اس کے بعد خود فیصلہ کیجیے کہ غور و فکر کا حق سلب کر لینا عقل و شعور اور تفکر و تدبر پر قفل لگا دینا اور اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دینا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ آپ نے اکثر یہ الفاظ بعض لوگوں کی زبان سے سنے ہوں گے: "یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں عقل کا کیا کام ہے؟ بس ایمان لے آنا چاہیئے۔" اور کوئی چون وچرا نہیں کرنی چاہیئے۔ معلوم نہیں ایمان اور عقل میں تناقض کیوں فرض کر لیا گیا ہے؟ عقل سلیم یا غور و تدبر سے تو ایمان میں اور پختگی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس گوشے کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ وہ عباد الرحمان کی ایک صفت یوں بیان فرماتا ہے:۔

والذین اذا ذکّروا بایات ربھم لم یخرّوا علیھا صما وعمیانا[۱۹]

جب انہیں آیاتِ ربّانی کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے۔ یعنی آیات ربانی کو بھی بے سمجھے بوجھے محض "خوش اعتقادی" سے نہیں مان لیتے بلکہ شعوری و عقلی طور پر سمجھ بوجھ کر اُن پر ایمان لاتے ہیں۔ یوں ہی بے شعور و عقل بہروں، اندھوں کی طرح آیات ربانی پر نہیں گر پڑتے بلکہ ان کے فلسفہ و حکمت کو بھی سمجھتے ہیں۔ مصالح کے تمام

---

[۱۷] مسند دارمی۔ [۱۸] اصول کافی طبع نولکشور صہ ۱۹ ۔ [۱۹] ۲۵: ۷۳

پہلوؤں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ انطباق کے مواقع کو بھی پہچانتے ہیں۔ سیاق وسباق اور دوسرے احکام سے اس کے ربط کا بھی فہم رکھتے ہیں۔ نیز نئے نئے حقائق کے موتی نکالنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہ ہے بہرے اندھے ہو کر نہ گرنے کا مطلب۔ اگر قرآن پر بے سمجھے بوجھے بہرے اندھے بن کر ایمان لانا ضروری ہوتا تو عقل وتدبر پر اتنا زور کیوں دیا جاتا؟ قرآن پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن عقل وتدبر کو غیر ضروری فرض کر لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ربانی کلام کے بعد انسانی کلام کی کورانہ تقلید کی بھی عادت پڑ گئی اور تقلید جامد گویا جزو ایمان بن کر رہ گئی۔ ربانی کلام اور انسانی تعبیر وتفسیر کا فرق کسی وقت آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیئے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ کسی حکم الٰہی کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو یہ ہمارا قصور فہم ہوگا مگر اس کے پُر حکمت ہونے پر ایمان رکھنا ضروری ہوگا۔ لیکن انسانی تعبیر وتفسیر کے حتمی ہونے پر ایمان لانا اور بے سمجھے بوجھے تسلیم کر لینا ضروری نہیں۔ اگر وہ کتاب وحکمت کے مطابق نظر آئے گی تو مان لی جائے گی، ورنہ مفسر کی نیک نیتی کو تسلیم کرنے کے باوجود اسے رد کیا جا سکتا ہے۔

عقل وفہم خدا کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر اس سے کام نہ لیا جائے تو اس کا زنگ آلود ہو جانا یقینی ہے۔ اس زنگ آلودگی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے متعلق تقریباً وہی پوزیشن اختیار کر لی ہے جو اہل کتاب اور مشرکوں نے اختیار کر رکھی تھی۔ ان سے جب کسی غلطی کو ترک کر کے راہِ راست پر آجانے کی فرمائش کی جاتی تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا[20] (ہم تو اسی بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے) وجدنا علیہ آباءنا[21] (ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی روش پر پایا ہے)۔ اسی قسم کی وہ تقلید جامد ہے جس کے متعلق مولانا رومی نے کہا ہے:

چند صد لعنت بریں تقلید باد

بات یہ ہے کہ جب عقلی وفکری صلاحیتیں کمزور پڑ جاتی ہیں تو جمود پیدا ہو جاتا ہے اور ارتقا پذیر ممکنات کی نمود ختم ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں آسان راستہ یہی نظر آتا ہے کہ خود سر کھپانے کی بجائے دوسروں کی فکر پر کلّی اعتماد کر لیا جائے۔ خود سوچنے میں خطا کا امکان ہے لہذا یہ خطرہ

---

[20] ۲ : ۱۷۰   [21] ۵ : ۱۰۴

کیوں مول لیا جائے؟ کیوں نہ اپنے بُرے بھلے کی ذمّہ داری کسی اور کے کاندھوں پر ڈال دی جائے؟ تقلید اسی سہل اندازِ زیست کا نام ہے۔ اس کا ایک سبب تو علم، قوت فکریہ اور حرّیت ضمیر کی کمی ہے۔ اور دوسرا سبب ایک مجبورانہ حالت بھی ہے۔ جب انسان معاشی کاروبار اور دوسرے دھندوں میں پھنس جاتا ہے تو اس کے پاس اتنا موقع و وقت نہیں ہوتا کہ وہ نازک مسائل کی باریکیوں پر غور کرے۔ اس طرح کی مجبوریوں میں اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ دوسروں کی تحقیق پر مقلّدانہ اعتماد کرے۔ ایسے لوگوں کو اجتہاد کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ وہ صرف اپنے فن میں مجتہد ہوسکتے ہیں۔

تقلید ایک ابتدائی ضروری قدم ہے مگر کوئی نصب العین اور آخری مقصد نہیں۔ ایک بچہ ابتدا میں اپنے معلّم کا مقلد ہی ہوتا ہے لیکن ایک دن وہ خود پڑھنے اور دوسروں کو پڑھانے کے لائق ہوجاتا ہے۔ یہی صورت معاشرے کی بھی ہے۔ جس میں ایک طبقہ عوام مقلد ہوتا رہے گا۔ لیکن اسی میں سے وہ افراد بھی پیدا ہوتے رہیں گے جو تقلید کے ابتدائی زینوں سے گزر کر بام اجتہاد پر فائز ہوجائیں انہی کو اولوالاحلام والنہیٰ یا ارباب حل وعقد کہتے ہیں۔ امت میں ان کا وجود محض درجۂ اباحت میں نہیں بلکہ واجبات میں ہے۔ آئیے ذرا کتاب وسنت میں بھی اسے تلاش کریں۔ ارشاد قرآنی ہے:۔

۱۔ ۔۔۔۔ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم [۲۲]

اگر وہ (امن یا خوف کی باتوں کو) رسول اور اپنے اولی الامر تک لے جاتے تو ان کے استنباط کرنے والے لوگ اسے معلوم کر لیتے۔

یہ "استنباط" کیا ہے؟ یہ اجتہاد ہی کا دوسرا نام ہے اور ہر فن کا ماہر اس کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ مسلمات اور کلیات کی روشنی میں پیش آمدہ پیچیدگی کو سلجھاتا ہے اور یہی اس کا اجتہاد ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

۲۔ ۔۔۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ۔۔۔۔ [۲۳]

تو ان میں کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت ایسی کیوں نہ نکلی جو دین میں تفقہ حاصل کرتی؟

یہ "تفقہ فی الدین" آخر کیا چیز ہے جسے قرآن ایک طبقے کے لئے ضروری قرار دے رہا ہے۔ یہ حکم

---

[۲۲] ۴ : ۸۳

[۲۳] ۹ : ۱۲۲

صرف عہدِ رسالت کے لئے تھا یا پوری امت کے لئے ایک دوامی حکم ہے؟ کیا یہ تفقہ فی الدین اجتہاد ہی کا دوسرا نام نہیں؟ اور کیا قرآن نے کسی دَور کے لئے اس تفقہ کا دروازہ بند بھی کیا ہے؟ ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے۔

قرآنی ارشادات کے بعد ہمارے سامنے حدیث رسول آتی ہے جو قرآن کی سب سے بہتر تفسیر ہے۔ اس سلسلے میں ہماری نظر سب سے پہلے اس مشہور حدیث معاذ پر جاتی ہے جو اس مضمون پر فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لما اراد ان یبعثہ (ای معاذاً) الی الیمن قال لہ: کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال ان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال اقضی بسنۃ رسول اللہ۔ قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ ولا فی کتاب اللہ؟ قال اجتہد رأیی ولا آلو۔ فضرب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صدرہ وقال: الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ لما یرضی رسول اللہ [۲۴]

حضورؐ نے جب معاذ کو والی یمن بنا کر بھیجنا چاہا تو ان سے پوچھا: تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: اللہ کی کتاب سے۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ ملے؟ عرض کیا پھر سنت رسول اللہ کے مطابق۔ فرمایا: اگر سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ دونوں میں نہ ملے؟ جواب دیا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ حضورؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اس حدیث سے دو باتیں تو واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ کتاب و سنت میں قیامت تک ہونے والے جزئیات موجود نہیں اور وہیں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اجتہاد عین رضائے رسول ہے۔ دوسرے یہ کہ اجتہاد حضرت معاذ کے ساتھ مخصوص نہیں ورنہ حضورؐ خاصۃ لک من دون المومنین بھی فرما دیتے۔ نیز پھر کوئی صحابی مجتہد نہ ہو سکتا اور ائمہ

---

[۲۴] ابوداؤد طبع کراچی ج ۲ صہ ۵۰۵

اربعہ کو بھی مجتہد ہونے کا حق نہ ہوتا۔

ہمارے اس بیان کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو یوں ہے :

۲. اذ حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد فاخطا فله اجر [۲۵] جب قاضی اپنے اجتہاد سے ٹھیک فیصلہ دے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے ۔ (ایک اجتہاد کا اور دوسرا اصابت کا) اور اگر وہ اس اجتہادی فیصلے میں غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملے گا (صرف اجتہاد کا)

اس حدیث سے بھی دو باتیں بڑی وضاحت سے ثابت ہوتی ہیں :

ایک یہ کہ یہ حق اجتہاد صرف حضرت معاذ یا کسی معاصر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو منصب قضا پر مامور ہو۔ دوسرے محض غلطی کے امکانات سے ڈر کر اجتہاد سے دستکش رہنا ایک اجر کو ضائع کرنا ہے ۔

زندگی کے ارتقا پذیر ممکنات اجتہاد ہی سے وابستہ ہیں اور اس کا دروازہ وہ رسول کیسے بند کر سکتا تھا جس کا سب سے بڑا کارنامہ ہی یہ ہے وہ ممکنات حیات کو بروئے کار لایا ہے اور دنیا کو ارتقا پذیری کی راہ سے روشناس کرایا ہے۔

ان احادیث کے ساتھ دو "اثر" بھی ملا لیجیے تو بات اور زیادہ واضح ہو جائے گی. یہ دونوں سیدنا عمر کے مکتوبات ہیں ۔

۱. آپ نے سیدنا قاضی شریح کو لکھا :

اقض بما فی کتاب اللّٰہ فان لم یکن فبسنة رسول اللّٰہ ۔ فان لم یکن فی کتاب اللّٰہ ولا فی سنة رسول اللّٰہ فاقض بما قضی به الصالحون ۔ فان لم یکن فیما قضی به الصالحون فان شئت فتقدم وان شئت فتاخر ۔ ولا أری التاخر الا خیراً لك [۲۶]

فیصلہ کتاب اللہ سے کرو ۔ اگر وہاں نہ ہو تو سنت رسول اللہ سے کام لو ۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں میں نہ ہو تو صالحین کے اجتہادی فیصلے کے مطابق فیصلہ کرو ۔ اگر صالحین کے فیصلوں

---

[۲۵] ابو داود طبع کراچی ج ۲ ص ۵۰۳ [۲۶] کنز العمال

میں بھی نہ ملے تو خواہ بروقت کوئی فیصلہ کر دیا ذرا غور و فکر کے بعد کرو۔ اور میری رائے میں تمہارے لئے ذرا غور و فکر کر لینا ہی بہتر ہے۔

۲۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری کو آپ نے یہ لکھا:

الفھم الفھم فیما اختلج بہ صدرک مما لم یبلغک فی الکتاب والسنۃ واعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور عند ذلک[۲۷]۔ جس معاملے کا سراغ کتاب و سنت میں نہ ملنے کی وجہ سے تمہارے دل میں خلجان پیدا ہو، وہاں عقل و فہم سے کام لو اور نظائر پر معاملات کو قیاس کر لو۔

اس ارشاد فاروقی میں کتاب و سنت کے علاوہ ایک اور چیز کا اضافہ ہے۔ یعنی صالحین کے فیصلوں کو بھی بطور نظائر (PRECEDENTS) سامنے رکھنا چاہیئے اور کہیں کوئی واضح حکم و فیصلہ نہ ملے تو قیاس سے کام لینا چاہیئے۔ یہی قیاس اجتہاد ہوتا ہے جس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ معاشرے کی تشکیل اور زندگی کے تقاضے ہر روز نت نئے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ زندگی کے ممکنات لاانتہا ہیں اور اس کے تنوعات بھی لامحدود ہیں۔ قیامت تک ہونے والے واقعات کی جزئی جزئی تفصیلات اور ان کے فیصلے کسی کتاب میں نہیں سما سکتے۔ لہٰذا اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے کوئی معنی نہیں۔

یہاں ایک ضروری گزارش بھی سُن لیجئے مگر ذرا غور سے سنیئے۔ عقل و تدبر اور قیاس و اجتہاد کے حق میں آپ نے کتاب اللہ اور اخبار و آثار کے کچھ دلائل سن لئے۔ ہمیں افسوس ہے اس کے خلاف ہمیں کوئی دلیل نہ مل سکی۔ نہ قرآن میں نہ حدیث نہ آثار صحابہ میں۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ یہ دعویٰ کیوں اور کس دلیل سے کیا گیا کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے؟ یہ خود ایک اجتہاد ہے۔ لہٰذا اگر واقعی اجتہاد کا دروازہ بند کرنا ہے تو سب سے پہلے خود اس اجتہاد کا دروازہ بند کیجئے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ اگر کچھ لوگ ایسے اجتہاد سے یہ فرما سکتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے تو دوسروں کو یہ اجتہاد کرنے کا بھی حق ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لئے کُھلا ہے۔ دونوں اجتہادوں میں فرق صرف یہ ہوگا کہ ایک کے لئے کوئی دلیل نہیں اور دوسرے کے حق میں نقلی دلائل بھی ہیں اور عقلی بھی۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں اختیار کریجیے۔

---

[۲۷] مسند دارمی ص۳۲ ازالۃ الخفا ص۸۶

مگر ذرا ٹھہریئے۔ صرف دلائل پر اکتفا نہ کیجئے۔ امت کا تعامل کیا رہا ہے۔ اسے بھی دیکھتے چلئے۔ خود حضورؐ کے عہد میں بھی اجتہاد ہوتا رہا ہے اور حضورؐ نے اس کی تصویب فرمائی ہے۔ اور حضورؐ کے بعد تو اس قدر بہتات سے اجتہاد ہوتا رہا ہے کہ اس کا شمار ہی مشکل ہے۔ عہد نبوت کی ایک مثال لیجئے۔ اوس بن صامت اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کو ماں سے تشبیہہ دیتے ہیں جسے اصطلاح فقہ میں "ظہار" کہتے ہیں۔ حضورؐ قدیم رواج کے مطابق فرماتے ہیں کہ تم دونوں میں ابدی جدائی ہو گئی اور باہم ملنے کی صورت نہیں۔ خولہ کہتی ہیں کہ "یہ طلاق کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ لفظ طلاق بولا ہی نہیں اور میں اس کی ماں کس طرح ہو سکتی ہوں جبکہ میں نے اسے جنا نہیں"۔ اس منظر کو آنکھوں کے سامنے لایئے کہ ایک طرف ایک معمولی عورت ہے اور دوسری طرف معلم الکتاب والحکمۃ سراپا عقل و دانائی ہے۔ عورت اس پیغمبر عقل و حکمت سے جھگڑتی ہے اور اپنا قیاس بھی پیش کرتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وحی الٰہی اس عورت کی تائید میں نازل ہوتی ہے۔ اٹھائیسویں پارے کی پہلی سورت کا نام ہی سورۂ مجادلہ ہے۔ جس کا آغاز یوں ہے: قد سمع اللہ قول التی تجادلك فی زوجھا [۲۸] (اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپؐ سے اپنے شوہر کے بارے میں مجادلہ و مباحثہ کرتی رہی)

اسی طرح جب میدان بدر میں اسلام و کفر کا پہلا معرکہ پیش آرہا تھا، حضورؐ نے پڑاؤ کے لئے ایک جگہ متعین فرمائی۔ حباب بن منذر نے عرض کیا کہ اگر یہ جگہ وحی سے نہیں پسند کی گئی ہے تو فلاں جگہ پڑاؤ کے لئے موزوں تر ہے۔ حضورؐ نے حباب کی رائے مان لی اور پڑاؤ کی جگہ بدل لی۔ جناب حباب نے اپنے قیاس و عقل ہی سے یہ معروضہ پیش کیا تھا [۲۹]

پھر حضورؐ کے بعد ہی جو اجتہادات صحابہ کے ہوئے ہیں، وہ تو بے شمار ہیں۔ ان میں قابل غور وہ اجتہادات ہیں جہاں احکام و عمل کی اسپرٹ اور لچک کو محفوظ و ملحوظ رکھتے ہوئے بعض منصوصات و معمولات تک میں تبدیلی کر دی گئی۔ صرف چند مثالیں سن لیجئے:

۱۔ قرآن نے مؤلفۃ القلوب کو صدقہ دلوایا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے سیدنا عمر کی رائے سے اسے بند کر دیا [۳۰]

---

[۲۸] ۵۸: ۱ [۲۹] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۶۷ طبع مصر

[۳۰] عمدۃ الرعایہ (حاشیہ شرح وقایہ) ج اوّل / حاشیہ ۲ ص ۲۹۶ طبع مجتبائی دہلی

۲۔ سیدنا عمر فاروق کے تو بے شمار اجتہادات ہیں جو عہد نبوت کے صریح فیصلوں کے خلاف ہیں مثلاً

(الف) عہد نبوت میں عورت کا نام لے کر تشبیب کی جاتی تھی۔ جناب کعب بن مالک کا قصیدہ بہترین نعت تسلیم کیا گیا ہے، جس کے ایک شعر پر حضورؐ نے اپنی چادر مبارک کعب کو انعام میں مرحمت فرمادی۔ اس قصیدے کا آغاز ہی سعاد نامی عورت کے ذکر سے ہوا ہے۔ بانت سعاد وقلبی الیوم متبول، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں عورت کا نام لے کر تشبیب کرنے سے روک دیا کیونکہ اس میں فحش کا ایک پہلو پیدا ہوتا ہے [۳۱]

(ب) عہد نبوی میں ہجو یہ اشعار پڑھے جاتے تھے اور خود حضورؐ نے حسان بن ثابت سے مشرکوں کے جواب میں اشعار ہجو پڑھوائے ہیں۔ مگر سیدنا عمر نے اس کی ممانعت فرمادی کیونکہ اس سے جاہلیت کی گزشتہ باہمی عداوتیں تازہ ہوجاتی ہیں [۳۲]۔

(ج) عہد نبوی میں مفتوحہ زمینیں مجاہدوں میں تقسیم ہوئی ہیں لیکن حضرت عمر نے یہ سلسلہ بالکل ختم کردیا کیونکہ آنے والی نسلوں کے لئے پھر کچھ باقی نہ رہے گا۔[۳۳]

(د) عہد نبوی اور دور صدیقی میں بیک مجلس طلاقیں رجعی سمجھی جاتی تھیں [۳۴] مگر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو کثرت طلاق سے روکنے کی غرض سے ایسی تین طلاقوں کو مغلظ قرار دیا اور پھر اس فیصلے پر شدید ندامت کا بھی اظہار فرمایا [۳۵]

(ہ) کتابیہ سے مناکحت کی اجازت قرآن نے دی ہے لیکن فاروق اعظم نے اپنے بعض گورنروں کو اس سے روک دیا کیونکہ کتابیہ کے مال و جمال کی طرف مسلمانوں کو زیادہ رغبت ہونے لگے گی تو مسلمان عورتوں کو رشتہ ملنے میں دشواریاں پیدا ہونے لگیں گی۔ [۳۶]

(و) عہد صدیقی تک ام ولد کی بیع ہوتی رہی۔ سیدنا عمر نے اسے روک دیا [۳۷]

(ز) حلالہ کرنے یا کرانے والے کے لئے کتاب و سنت میں کوئی سزا نہیں بیان کی گئی ہے۔ سیدنا عمر نے اس کے لئے رجم کی سزا کا اعلان فرمادیا کیونکہ یہ مناکحت کا نہایت غلط استعمال ہے۔

---

[۳۱] اسد الغابۃ تذکرۃ حمید بن ثور۔ [۳۲] اغانی لابی الفرج الاصبہانی ۴ : ۵ - طبع مصر
[۳۳] کتاب الخراج ص ۲۳-۲۴۔ [۳۴] مسلم ج ۴ ص ۱۸۳ طبع مصر
[۳۵] اغاثۃ اللہفان لابن قیم ص ۱۸۱ طبع مصر [۳۶] ایضاً [۳۷] ایضاً

(ح) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح صرف ایک سال رمضان کے عشرہ اواخر کی فقط تین طاق راتوں میں پڑھی [۳۹] سیدنا فاروق نے پورے ماہ ہر شب بیس رکعات با جماعت تراویح کا اہتمام فرمایا [۴۰]

(ط) اسی طرح حضرت عمر نے گھوڑوں پر زکوٰۃ اور عنبر پر خمس لگایا جو پہلے نہ تھا اور مختلف قسم کی کاشت پر خراج کی مختلف شرحیں مقرر فرمائیں جو پہلے نہ تھیں، نیز مختلف ممالک کے قیدیوں کے فدیے بھی مختلف مقرر فرمائے حالانکہ پہلے یہ صورت نہ تھی۔[۴۱]

(ع) خطبہ جمعہ کی اذان سے پہلے کوئی اذان نہ عہد نبوی میں تھی نہ دورِ صدیقی میں اور نہ خلافت فاروقی میں۔ یہ اضافہ سیدنا عثمان نے فرمایا۔ کیونکہ لوگوں کی کاروباری مصروفیات اتنی زیادہ ہو گئی تھیں کہ اذان خطبہ سنتے ہی فی الفور آ کر خطبہ جمعہ نہیں سن سکتے تھے [۴۲]

مثالیں اور بھی بہت سی ہیں۔ یہاں سب کا احاطہ و شمار مقصود نہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد چند سالوں میں یہ تبدیلیاں ہوئیں اور عبادات سے لے کر معاملات تک کے مسائل شرعیہ میں تبدیلیاں ہوئیں اور عبادات سے لے کر معاملات تک کے مسائل شرعیہ میں تبدیلیاں ہوئیں۔ حالانکہ اس دور کا تمدن سمٹا ہوا اور بڑی حد تک محدود تھا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان چودہ صدیوں میں کسی تبدیلی کی کبھی کوئی ضرورت نہ ہوئی ہو گی۔ خواہ تمدن نے کتنا ہی پھیلاؤ اختیار کر لیا ہو اور صنعتی و سائنسی ترقیوں نے سوسائٹی کا ڈھانچہ ہی کیوں نہ بدل دیا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ دین تو ناقابلِ تبدیل اصول زندگی کا نام ہے۔ لا تبدیل لکلمت اللہ ذلک الدین القیم [۴۳]۔ لیکن شریعت کے تمام فروع دین کی طرح ناقابل تبدیل نہیں۔ دین تو وہ روح اور اسپرٹ ہے، جو تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اور شریعت اسی روح کی تشکیل کا نام ہے۔ مقصد اسپرٹ کو باقی رکھنا ہے اور شکل بدلنے سے اسپرٹ نہیں بدل جاتی۔

اجتہاد کے حق میں سب سے بڑی دلیل مختلف مذاہب کا وجود ہے۔ یہ مالکی۔ حنفی۔ شافعی۔ حنبلی۔

---

[۳۹] سنن ابی داؤد جلد اول : ۱۹۵ [۴۰] ابن حبان

[۴۱] کتاب الخراج : ۷۰۔ نیز الفاروق۔ شبلی۔ [۴۲] سنن ابی داؤد ج اول ص ۱۵۵ طبع کراچی

[۴۳] ۳۰ : ۳۱

اور دوسرے بہت سے اسلامی مذاہب کس طرح وجود میں آگئے؟ اگر اجتہاد کا دروازہ بند تھا تو ان بے شمار مذاہب اسلامیہ کی کیا توجیہہ (JUSTIFICATION) ہو سکتی ہے؟

یہ سارے مذاہب دراصل خام مواد ہیں شریعت کے لئے۔ دین ہر ایک کا ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ اگرچہ یہ شریعتیں مختلف ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم جس فرقے یا مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، وہ تو عین اسلام ہے اور باقی مذاہب اسلام نہیں۔ آج یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ شریعت تو بن چکی اور اس کی کسی بات میں بھی ردّ و بدل اور اضافہ و ترمیم جائز نہیں۔ ناقابل ترمیم صرف دین ہے اور شریعت ہر دَور میں ترمیم قبول کر سکتی ہے۔ اور یہیں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ترمیم شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ شروع سے آخر تک سب کچھ بدل دیا جائے بلکہ:

(الف) ان شریعتوں میں جو چیز اپنے عصری تقاضوں کے مطابق ہوگی وہ باقی رکھی جائے گی۔

(ب) جس کی ضرورت نہیں، اسے ترک کر دیا جائے گا۔

(ج) جس جدید شے کی ضرورت ہوگی اس کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور اس وقت صرف عالمی مصالح امت کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ اور تمام شریعتوں کے خام مواد سے استفادہ کیا جائے گا۔ پھر یہی قوانین ایک خاص دَور کی شریعت ہوں گے جو سب پر لاگو ہوں گے۔ ایک اسلامی ملک میں دس قوانین یا شریعتیں ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ جس دَور کے لئے جو شریعت بنے گی، وہ بھی ابدی نہیں ہوگی۔ ضرورت پیش آنے پر اس میں بھی حک و اضافہ ہوتا رہے گا۔ دین اور شریعت کے فرق کے لئے یوں سمجھنا چاہیئے کہ انسان تغیر و ثبات کا مجموعہ ہے۔ اس کی انا یا ذات یا EGO تغیر ناآشنا ہے لیکن اس کا جسم ہر آن بدلتا رہتا ہے۔ اس تغیر سے اس کی شخصیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ٹھیک اسی طرح اسلام کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ہمیشہ باقی و قائم رہنے والا اور وہی ہے دین قیم۔ اور دوسرا حصہ تغیر پذیر ہے جو ضرورت و مصلحت کے وقت بدل جاتا ہے اور یہی ہے شریعت۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب خلفائے راشدین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بعض شرعی منصوصات و معمولات کو بدل دیں تو کیا فضلائے امت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان خلفائے راشدین کے فیصلوں میں اسی وزن کی دوسری مصلحتوں کے پیش نظر حک و اضافہ کر دیں۔ اور اپنے اجتہاد سے کام لے کر ترمیم و اضافہ کا فریضہ ادا کریں۔ اجتہاد کا مطلب یہ نہیں کہ جو چاہے جب چاہے اور جس حکم کو چاہے، اٹھا کر بدلنا شروع کر دے اور اسے اجتہاد

کا نام دے دے۔ جس طرح ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں، اسی طرح یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہر کس وناکس کو اجتہاد کا حق نہیں۔ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ اور ہر فن کا یہی حال ہے کہ مہارت رکھنے والا ہی کسی فن میں رائے دے سکتا ہے۔ اجتہاد کے لئے ضروری ہے کہ :

(۱) کسی حکم میں ردّ و بدل اسی وقت ہو جب شدید ضرورت ہو۔

(۲) وہ حک واضافہ پیچیدگی کا واقعی حل ہو۔

(۳) تبدیل وترمیم ارباب حل وعقد کریں اور اس میں خیر غالب کا خیال رکھیں۔

(۴) اساسی اقدار دین مجروح نہ ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے ضروری شرائط اجتہاد کا ذکر کیا ہے۔ تفصیل میں جانا مقصود نہیں۔ ہاں ایک بات صاف کر لینی ضروری ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اب فاروق اعظمؓ اور امام اعظمؒ جیسے لوگ کہاں ہیں جو اجتہاد کا حق ادا کر سکیں۔ یعنی چونکہ اب ایسے لوگ نہیں اس لئے اجتہاد بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہی استدلال کا انداز رہا تو کل یہ بھی کہا جائے گا کہ اب علی مرتضیٰؓ جیسے مخلص مجاہد کہاں ہیں جو دشمن کے تھوکنے کے بعد اس کے سینے سے اتر آئیں؟ لہٰذا اب قتال فی سبیل اللہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اب عمر فاروقؓ جیسے عدل وایثار والے لوگ کہاں ہیں جو قحط میں گھی کھانا چھوڑ دیں اور اپنے فرزند کو بھی دُرے لگانے سے دریغ نہ کریں لہٰذا اسلامی نظام عدالت قائم کرنے کا خیال بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔ اب امام ابو حنیفہ جیسے عالم ومتقی فقیہہ کہاں ملیں گے اس لئے درس فقہ کو بھی ختم کر دینا چاہیئے۔ غرض اس قسم کے خدشات وشبہات کو ہم وسعت دیتے چلے جائیں تو زندگی کے ہر موڑ پر مایوسی ہی مایوسی نظر آنے لگے گی اور پورے اسلام ہی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ سیدھی بات یہ ہے کہ اس نوع کی مایوسانہ باتوں سے نہ تو زندگی کی تعمیر ہو سکتی ہے نہ معاشرتی مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔ ہر دَور کے مسائل کا حل یوں ہی نکل سکتا ہے کہ ہر مسئلے کے ارباب حل وعقد ماہرین۔ جیسے بھی اس دَور میں میسر آئیں۔ اجتہاد کریں اور غلطی کے منطقی امکانات سے خوف نہ کھائیں۔ غلطی کے امکانات تو صدر اوّل میں بھی موجود تھے۔ اگر یہ امکانات نہ ہوتے تو فقہ کا یہ مسئلہ کہاں سے بنتا کہ مجتہد کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے اور ٹھیک بھی۔ (المجتہد یخطی ویصیب)۔ اور پھر حضورؐ یہ کیوں فرماتے کہ ٹھیک رائے دینے والے کے لئے دو اجر ہیں اور غلطی کرنے والا ایک اجر کا مستحق ہے۔ خطا اور غلطی ہی تو انسان کا مابہ الامتیاز وصف ہے۔ غلطی وخطا ہی تو

انسان کو ارتقاء کی طرف لے جاتی ہے۔ جمادات وحیوانات غلطی نہیں کرتے اس لئے ان میں عقلی ارتقاء بھی نہیں۔ انسان غلطی کرتا ہے تو اس کی تلافی کرتا ہے۔ ٹھوکر کھاتا ہے تو سنبھلتا ہے اور اسی طرح کے تجربات اسے ارتقاء کی طرف لے جاتے ہیں ورنہ وہ ایک سی جامد حالت میں پڑا رہے اور بے خطا جانوروں پر اسے کوئی شرف حاصل نہ ہو۔ قرآن کریم نے جو قصۂ آدم بیان کیا ہے، اس میں بڑی خوبی سے یہ حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ خطا کار آدم کو بے خطا فرشتوں پر کیوں فضیلت حاصل ہوئی اور معصوم و بے خطا مخلوق کے ہوتے ہوئے خلافت ارضی خطا کار مخلوق کے سپرد کیوں کی گئی۔

اگر آج علیؓ و خالدؓ و ضرارؓ کے نہ ہونے کے باوجود ہم جہاد و قتال کر سکتے ہیں۔ اگر عمرؓ اور شریحؒ کے موجود نہ ہونے پر بھی نظام عدالت قائم کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ابوحنیفہؒ و شافعیؒ کے نہ ہونے کے باوجود اجتہاد کو ختم کر دیا جائے۔ دروازہ نہ اس کا بند ہے نہ اُس کا۔ اجتہاد کا مطلب ائمہ مجتہدین سے سرتابی نہیں بلکہ انہی کی مساعی مشکورہ سے فائدہ اٹھانے کا نام اجتہاد ہے۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اجتہاد محض جائز کی حد تک نہیں۔ یہ جواز و عدم جواز سے بلند تر حقیقت ہے۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے جو اپنی نمود چاہتا ہے اور زندگی کے ہر ہر گوشے میں اس کی طلب موجود ہے۔ اگر ہم اس فطری مطالبے کو حُسن و خوبی کے ساتھ پورا نہیں کرتے تو اس سے خود ہمارا اپنا نقصان ہوگا۔ محض جائز و ناجائز کہہ کر الگ ہو جاتے سے کسی مسئلے کا حل نہیں نکلا کرتا۔ آج کے ایٹمی دَور نے زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا ہے۔ نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں، جن کا حل اجتہاد کے بغیر نہیں نکل سکتا۔ مثلاً انشورنس کرانا۔ بنکاری اور اس کا منافع۔ خاندانی منصوبہ بندی۔ ایک کا خون دوسرے کے جسم میں ڈالنا۔ مرنے والے کی رضامندی سے اس کی آنکھ یا کوئی اور حصۂ جسم زندوں کے کام میں لانا۔ زمین یا دوسرے ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت قرار دینا۔ رؤیت ہلال کے لئے فلکیات پر اعتماد کرنا۔ عورتوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کا مقام اور پردے کی حدود متعین کرنا۔ بعض جائز چیزوں۔ مثلاً تعدد ازدواج کسی کی شادی۔ طلاق۔ دعوت۔ ذبائح۔ سفر حج وغیرہ۔ پر بعض پابندیاں عائد کرنا۔ جہیز کی اصلیت، حضانت کی مدّت۔ مفقود الخبر کی میعاد۔ یتیم پوتے کی وراثت۔ فوٹو گرافی۔ موسیقی۔ مصوری وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہمارے دَور کے مسائل ہیں جن کا تعلق براہِ راست ہماری زندگی سے ہے۔ یہ روزمرہ کے مسائل اجتہاد ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔ ان میں بعض مسائل تو وہ ہیں جن کا

ذکر قدیم کتب فقہ میں سرے سے موجود نہیں اور بعض وہ ہیں جو ہماری کتب فقہ میں موجود ہیں لیکن وہ عوام کی نگاہوں سے اوجھل رہے ہیں یا اوجھل رکھے گئے ہیں۔ اور کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو کسی خاص دَور کے لئے تھے اور اب تک ہم اسی پر قائم ہیں حالانکہ نقشۂ زندگی بدل جانے کی وجہ سے اب ان پر قائم رہنا ضروری نہیں۔

ہم اپنی توانائیوں کا بڑا حصہ ایسے مسائل میں بھی صرف کر چکے ہیں جن کے متعلق نہ آخرت میں باز پُرس ہوگی اور نہ وہ دنیا میں کچھ کام آئیں گے۔ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ آنحضورؐ کو علم غیب تھا یا نہیں؟ حضورؐ بشر ہیں یا نہیں؟ صحابہؓ میں کون افضل ہے اور کون مفضول؟ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ سیاہ تھا یا سفید؟ براق کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ حضرت مسیحؑ چوتھے آسمان پر زندہ ہیں یا نہیں؟ ان جیسے مسائل پر ہم نے اپنی بہت سی توانائیاں صرف کر دی ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ عقل اور اجتہاد سے کام لے کر ان مسائل کو حل کریں جن کا براہِ راست ہماری زندگی سے تعلق ہے۔ اگر ہم اس فریضے میں کوتاہی کریں گے تو زمانہ ہماری پرواکئے بغیر آگے بڑھتا جائے گا۔

سچ پوچھئے تو زمانہ خود ہی ایک بڑا موثر مفتی ہے۔ لوگ خود ہی اس کا فتویٰ مان لیتے ہیں لیکن بعد از خرابیٔ بسیار۔ آج سے تیس پینتیس سال پہلے جب پہلی بار بمبئی میں لاؤڈ اسپیکر سے خطبۂ عید کا کام لیا گیا تو اکثر علماء نے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا اور دیکھتے دیکھتے اب یہ صورت ہو گئی کہ بے ضرورت شور سے روکنے کے لئے اگر حکومت لاؤڈ اسپیکر کہیں بند کرتی ہے تو یہی علماء شور مچاتے ہیں کہ حکومت تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کو بند کرتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آج ہم جو باتیں عرض کر رہے ہیں ان کو یہ حضرات کچھ دنوں بعد انشاء اللہ مان لیں گے کیونکہ زمانہ خود بہترین مفتی ہے۔

حضرات! ہمارے خیال میں ہم پاکستانیوں کی اس وقت کوئی معین شریعت نہیں ہے۔ پچھلے ادوار کی شریعتوں پر چل رہے ہیں جن کے اختلافات کو دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں۔ جب ہم ان خام مواد سے استفادہ کرتے ہوئے ایک بات کو متعین کریں گے اور حکومت اسے نافذ کر دے گی تو ہمارے لئے وہی شریعت ہوگی۔ اور پھر وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگی۔ ضرورت کے وقت مجالس قانون ساز یا کوئی اور مقرر کردہ کمیٹی اس میں بھی ترمیم کر سکتی ہے۔ ہمارے موجودہ انتشار کا اس کے سوا کوئی حل نہیں۔